ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

تدریسِ مرثیہ: ادبی اسلوب

فائزہ نامدار
سکالر ایم فل اردو، سپیریئر یونیورسٹی، لاہور
ڈاکٹر عطاء الرحمن میو
پروفیسر، سپیریئر یونیورسٹی، لاہور

ABSTRACT

An elegy is not just a poem written in the grief for the deceased but It's a rich genere of urdu literature that comprises of history , morality , Civilization and culture along with Sorrow and grief . By writing the elegy Of Ahl-al –Bayt , Mirza Anees and Mirza Dabir raised this genere to the Highest level . By keeping in view the elements of culture,civilization And history in it, it is important to be taught it properly .In this article An attempt to be made to highlight the importance of elegy ,its main Parts and reason why its necessary to read and taught this genere.

***Key words**: elegy,lament,grief ,sorrow, culture, deceased,history.*

مرثیہ عربی لفظ "رثا" سے بنا ہے جس کے معنی ہیں مرنیوالے کی تعریف وتوصیف ہے۔ گویا مرثیہ ایسی صنفِ شعر ہے جس میں کسی مرنے والے کا ذکر اور اس کی تعریف حسرت اور غم کے انداز میں کی جاتی ہے۔ ظاہری ہیئت کے اعتبار سے ابتدا میں مرثیے کی کوئی خاص شکل متعین نہ تھی۔ شعرا کبھی غزل کی طرح متفرق اشعار میں اظہار غم کرتے تھے اور کبھی مثلث، مربع، خمس، مسدس، ترکیب بند میں یعنی ہر صنف میں، بعد میں مسدس رائج ہو گئی۔ مرثیہ دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک وہ جو کسی قومی رہنما یا عزیز کی وفات پر لکھا جاتا ہے جیسے حالیؔ نے غالبؔ نے بھی مرثیے لکھے اس کے علاوہ میر تقی میر نے بھی مرثیے لکھے۔ دوسرا وہ مرثیے جو حضرت امام حسین اور ان کے عزیز واقارب کی وفات اور شہادت لکھے گئے۔ میر انیس اور دبیر سے بہت پہلے مرثیہ لکھنا شروع کیا گیا۔ شیخ چاند مرثیہ کے آغاز کے بارے بتاتے ہیں۔

"عہد محمد شاہی سے پہلے مرثیہ گوئی کا باضابطہ آغاز نہیں ہوا تھا۔"1

ڈاکٹر سلیم اختر کی رائے ہے:

"اردو ادب میں مرثیہ غزل جتنا ہی قدیم ہے کیونکہ شاعری کے دکنی دور میں قلی قطب سے لے کر ولی تک بیشتر شعراء نے اس کی طرف حقیقی توجہ دی تھی۔ شمالی ہند میں بدلتے ادبی مذاق کے باوجود بھی بحیثیت ایک صنف مرثیہ کو خاصی اہمیت حاصل رہی۔"2

رام بابو سکینہ مرثیہ کی ابتداء مرثیہ سے ہوئی تھی مگر جب شاعری
شاعر کے ذاتی مفاد پر مبنی ہو گئی تو مرثیہ کو زوال ہونا شروع ہوا اس لئے کہ اس سے کسی قسم کے نفع کی امید نہ تھی ۔۔۔۔۔۔ اردو شاعری کی ابتداء دکن میں ہوئی تھی اور اس کی ابتدائی کوششوں میں صنف مرثیہ بھی داخل تھی۔"3

اردو ادب میں مرثیہ کی صنف سے انکار نہیں کیا جا سکتا ڈاکٹر رفیع الدین مرثیہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

" مرثیہ تمام اصناف سخن میں ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ اردو شاعری میں مرثیہ وہ واحد صنف شعر ہے جو عربی یا فارسی شاعری سے مستعار نہیں (اردو مرثیہ فارسی مرثیے سے

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

بالکل مختلف ہے) یہ اردو شعراء کی اپنی ایجاد ہے یہی وجہ ہے کہ ابتداء میں اس کی کوئی واضح شکل نہ تھی۔"4

اسی بات کی تائید صاحبزادہ حمید اللہ بھی کرتے ہیں:

"شہدا کربلا کے علاوہ اور لوگوں کے مرثیہ کے لئے پہلے بھی کوئی خاص شکل اور صنف نظم مقرر نہ تھی اب بھی نہیں ہے۔ قصیدہ، مسدس، ترکیب بند وغیرہ مختلف صورتوں میں مرثیے لکھے گئے۔"5

عام طور پر مرثیے کے یہ عناصر قائم کئے جاتے ہیں:

1۔چہرہ 2۔سراپا 3۔رخصت 4۔آمد 5۔رجز 6۔رزم
7۔شہادت 8۔بین 9۔دعا

شبلی وہ پہلے ناقد تھے جنہوں نے مرثیہ کو عقائد کے جنگل سے نکال کر تنقیدی ادب میں شامل کیا اور اس کے بعد مرثیہ پر مباحث کا دروازہ کھل گیا۔

مرثیے کی تدریس کا جواز:

یہ بات طے شدہ ہے کہ ہم اپنے کلاسیکل ادب کو نظر انداز کر کے کبھی بھی جدید ادب کو سمجھ نہیں سکتے کیونکہ ادب کے ساتھ ایک روایت چلتی ہے اور وہ روایت غیر محسوس طریقے سے عہد در عہد سفر کرتی ہے۔ مرثیہ بھی ایک قدیم، شعری سخن ہے اور اس کی تدریس ہی جدید اصناف شعر کی تفہیم کا باعث بن سکتی ہے۔ مرثیے کی تاریخ کے حوالے سے صبا اکبر آبادی کہتے ہیں:

"مرثیے کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ کم و بیش اردو شاعری کی انیس اور دبیر نے مرثیے کو جس رفعت اور عظمت سے ہمکنار کیا اس کے بعد اب مرثیہ لکھنا مشکل ہو گیا ہے۔ مرثیے کا موضوع بظاہر کتنا محدود لیکن اصل میں بے حد وسیع ہے۔"6

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مرثیے میں تنوع آتا آگیا جس طرح نظم اور غزل میں تنوع آیا تو اس کو ادب میں قبول کیا گیا۔ نظم سے نظم آزاد اور عصری نظمیں لکھیں گئیں تو ادب میں ان کو قبول کیا گیا اور ان کی تدریس بھی ہوئی اسی طرح وقت کے ساتھ ساتھ مرثیہ کی ہیئت اور معنی میں تبدیلی آئی جسے غزل شروع میں صرف لب و رخسار کی باتوں تک محدود تھی بعد میں سماجی اور معاشرتی امور بھی زیر بحث لائے گئے اسی طرح مرثیے میں بھی تنوع آگیا۔ مرثیے کے معنی میں تبدیلی کے حوالے سے ڈاکٹر ام ہانی اشرف لکھتی ہیں:

"آگے چل کر مرثیے کی ایک ایسی قسم وجود میں آئی جو شخصی مرثیے سے بہت مختلف ہے اور جس کا دامن شخصی مرثیے سے کہیں وسیع ہے۔"7

اسی تبدیلی کے بارے میں اور مرثیہ کے مروجہ اجزاء کے حوالے سے بات کرتے ہوئے پروفیسر سید مسعود الحسن رضوی لکھتے ہیں:

"لیکن لازمی نہیں ہے کہ ہر مرثیے میں یہ کل اجزاء ہوں اور بالکل اسی ترتیب سے ہوں۔"8

اردو مرثیے کی تدریس اس لئے بھی ضروری ہے کہ ان کے موضوعات میں بڑی وسعت ہے۔ اردو مراثی کی وسعت ان کے موضوعات کا تنوع، ان میں مضامین کی گوناگوئی ان کی اعلیٰ ترین اخلاقی تعلیم، ان میں بیان کردہ کردار اور سیرت اور ان کی بلندیاں اور پستیاں ان میں مناظر فطرت کی گوناگوں رنگینیوں کے ذریعے اردو ادب میں اور اردو زبان میں ہزاروں تشبیہوں اور استعاروں کا اضافہ وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو ان مراثی کو قابل فخر ادبی حیثیت دیتی ہیں اور ان کی تدریس کا جواز فراہم کرتی ہیں۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

شروع میں جو مراثی لکھے گئے تو ان میں غنائی رنگ غالب تھا آج بھی وہ رنگ باقی ہے۔ موسیقی چونکہ فنون لطیفہ میں سے ایک ہے اس لئے کسی صنف کا غنائی رنگ اس کے اندر سوز و گداز پیدا کر دیتا ہے۔ آج بھی اسی سوز و گداز کی اشاعت کے لئے اور منتقلی کے لئے مرثیہ کی تدریس سود مند ثابت ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

"ان مرثیوں کے بارے دلچسپ بات یہ ہے کہ زیادہ تر گانے کے لئے
لکھے گئے ہیں۔ اس لئے ان میں غنائی رنگ گہرا ہے۔ شاہی نے اپنے مرثیے مخصوص راگ،
راگینوں کے تحت تحریر کئے اور ہر مرثیہ کے ساتھ ان راگ راگینوں کے نام دیے ہیں جن
میں ان کو پڑھ کر سنایا جانا چاہئے۔"9

جس طرح دوسری اصناف کے پڑھنے پڑھانے سے زبان وادب کی تفہیم ہوتی ہے، نئے اسلوب سے واقفیت ہوتی ہے۔ نادر تشبیہات، تراکیب سے واسطہ پڑتا ہے۔ اسی طرح مرثیہ کے اندر ہر چیز کا مرقع موجود ہوتا ہے اور یہ کئی اصناف کا احاطہ کرتی ہے۔ ایک مرثیے کی تدریس سے کئی پہلوؤں سے جانکاری ہوتی ہے۔ جیسا کہ صاحبزادہ حمید اللہ نے لکھا ہے:

"مرثیہ ادب اور شاعری کے لحاظ سے نہایت اعلی نظم ہے۔ انیس اور دبیر اور ان کے اہل
خاندان نے مرثیہ کے ذریعے سے زبان وادب اور شعر کی بڑی خدمت کی اور روزمرہ، محاورہ،
صناع لفظی و معنوی، حسن بیان، جدت ادا، مناظر قدرت، جذبات فطرت، واقعہ نگاری سب
کچھ بہتر سے بہتر مرثیہ کے اندر موجود ہے۔"10

مرثیہ کی تدریس کے حوالے سے ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ دوران تدریس ایسا لب ولہجہ اختیار کیا جائے جو کہ قاری کے دل کو نرم اور گداز کر دے کیونکہ مرثیہ کا بنیادی مقصد دلانا ہے شیعوں کے عقیدہ کی روح سے اہل بیت کے مصائب پر رونا تواب ہے اس سے قطع نظر رونا غیر فطری بات بھی نہیں، رونے سے ہمدردی محبت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور ان عظیم ہستیوں کی تقلید کا جذبہ بیدار ہوتا ہے اور ان پر ظلم کرنے والوں کی طرف غصہ و نفرت کے جذبات ابھرتے ہیں۔ جیسا کہ عبدالروف عروج لکھتے ہیں:

"دکن میں اس فن کو محض اس لئے قبول عام تھا کہ ایام عزا میں گھر گھر مجالس انعقاد پذیر ہوتی
تھیں اور ان میں مرثیہ سلام اور نوحے پڑھے جاتے تھے یہی وجہ ہے کہ ہمیں اس دور کی اس
صنف میں وہ جذبہ شدت کے ساتھ ملتا ہے جو رونے رلانے کے لئے ناگزیر ہے۔"11

مرثیہ کی تدریس کا اس لئے بھی جواز بنتا ہے کہ ہمارے خیال کے نئے آفاق پر مرثیہ اب جدید زندگی کی روشن علامتوں، نئے سیاسی اور سماجی استعاروں اور دھنک کی خوش رنگ لہروں کا ایسا مرقع بن گیا ہے جو کہیں کہیں تو خود اردو نظم کے لئے بھی قابل رشک ہے۔ بالخصوص جوش، نجم آفندی اور ڈاکٹر صفدر حسین کے مسدس "طلوع فکر" "فتح مبین" اور "جلوہء تہذیب وغیرہ۔

غلبہ کو اردو ادب کی مختلف اصناف سے روشناس کروانے کے دوران یقیناً ایک مرثیہ بھی آئے گا اور مرثیہ وہ قدیم صنف ادب ہے جو کہ خالصتاً ہندوستانی ہے اور اس میں ہمارا کلچر سمویا ہوا ہے۔ مرثیہ کو چھوڑنا گویا ایک قدیم صنف ادب کو چھوڑنا ہو گا اور مرثیہ سے صرف نظر کرتا گویا قدیم اصناف میں سے ایک صنف سے چشم پوشی ہو گی۔ ایک صنف کو چھوڑنا گویا تاریخ کے حصے سے ہاتھ دھونا ہو گا۔ لہٰذا اپنے تہذیبی و تاریخی ورثے کی تکمیل کے اس قدیم صنف کی تدریس انتہائی ضروری ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

"اردو شاعری نے فارسی شاعری کے اثرات دل کھول کر قبول کئے ہیں۔ ساری اصناف سخن
فارسی سے آئی ہیں لیکن اردو مرثیے نے قصیدے اور مثنوی کے امتزاج سے جو روپ مرثیے کو
دیا ہے نہ فارسی شاعری سے تعلق رکھتا ہے اور نہ عربی شاعری سے یہ صنف پوری

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

طرح ہندوستان کی سرزمین سے تعلق رکھتی ہے۔"12؎

مرثیہ جوں جوں آگے بڑھا اس کی ہیئت میں تبدیلی آئی اور اس کے اندر داستان کا عنصر باقاعدہ ایک ٹھوس شکل میں وقوع پذیر ہوا اور مرثیہ وقت کے ساتھ ایک منظوم داستان بنتا گیا۔ آج بھی ہم کسی چیز کو سمجھانے کے لئے اسے کہانی یا داستان کی شکل میں پیش کرتے ہیں۔ تو گویا مرثیہ جو اپنے اندر ایک مکمل داستان لئے ہوتا ہے کیونکہ نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔ نثری داستان پھر بھی کسی حد تک ثقیل ہو سکتی ہے۔ لیکن منظوم داستان کے اندر لطافت اور جمالیاتی تسکین کا سامان ہوتا ہے۔ گویا مرثیہ نہ صرف داستان کی شکل میں قصے کو آگے بڑھاتا ہے اور نئے نئے اسرار و رموز کو منکشف کرتا ہے بلکہ ادبی ذوق اور جمالیاتی رجحان رکھنے والے تشنہ لب طالبین کے لئے سامان رسد کا باعث ہے۔ یہ ایک ایسی داستان ہے جس داستان کے اندر تنوع ہے۔ گویا اس کے اندر ڈرامائی عنصر بھی پایا جاتا ہے۔ جس طرح یورپ میں شروع میں منظوم ڈرامے پیش کئے گئے۔ ماکروسٹو فرمار لو اور شکینیزے منظوم ڈرامے لکھے اور ان کو منظوم شکل کی زمین پیش کیا ہے۔ مرثیہ میں ویسی ہی صورت نکلتی ہے۔ کیونکہ یہ مکالموں، داستان اور نظم کا مجموعہ ہے۔ اس کے اندر کئی عناصر گھل مل گئے ہیں اسی لئے اس کو نبھانے کے لئے بھی ایک اعلیٰ فنکار کی ضرورت ہوتی ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

"آگے چل کر مرثیہ گویوں کے ہاں داستانی شکل اختیار کر لیتا ہے اور انیسویں صدی میں اردو
مرثیہ ایک طرح سے منظوم داستان بن جاتا ہے۔"13؎

مرثیہ کا ایک حصہ "نوحہ" ہے جس کے اندر غزل کا سا انداز اپنایا جاتا ہے اور واقعات کے علاوہ اخلاقی مضامین اور دنیا کی بے تنہائی کا ذکر ہوتا ہے غزل کی طرح نوحے میں مطلع، مقطع اور قافیہ ردیف کا التزام کیا جاتا ہے۔ مرثیے کے اس حصے کو بڑھاتے ہوئے یا بڑھتے ہوئے ہمیں غزل ہی کا احساس ہوتا ہے۔ گویا جس طرح غزل کی تدریس کو رد نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح مرثیہ کی
تدریس کو بھی جھٹلایا نہیں جاسکتا کیونکہ لکھنو میں جب ادب پروان چڑھا تو ترقی کی منازل طے کرتے کرتے اور مختلف اصناف کو اپنے اندر سمیٹتے ہوئے گویا اصناف کا ایک مرقع اور فن بن گیا۔ جس کی مستقل حیثیت ہے اس کو کسی صورت بھی رد نہیں کیا جاسکتا۔ سید عابد علی عابد رقمطراز ہیں:

"سوز خوانی بھی ایک خاص قسم کی موسیقی ہے لکھنو نے اسے یہاں تک ترقی دی کہ یہ ایک
مستقل فن بن گیا۔"14؎

ظاہر ہے کہ ایک مستقل فن کو ہرگز نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اور اس کی تدریس میں کوتاہی گویا اور فن سے ہاتھ دھونے کے مترادف ہوگی۔

مرثیہ اردو شاعری کی واحد صنف ہے جو پوری طرح ایک خاص ثقافتی مزاج عقیدہ اور سلسلہ روایات رکھتی ہے۔ چنانچہ اس کا فروغ اس ثقافتی ماحول سے وابستہ شاہان اودھ کے زوال کے بعد انگریزوں کے عہد میں مرثیہ نگاری سرپرستی سے محروم ہوگئی پھر بھی اس لکھنو میں مرکزیت حاصل رہی غالباً اسی وجہ سے مرثیہ میں سماجی فضا عرب کی بجائے ہندوستانی ہے۔ اس پر لکھنوئی زبان و معاشرت کا گہرا اثر ہے رسم و رواج بول چال، ماحول یہاں تک کہ توہمات تک ہندوستانی ہیں۔ گویا مرثیے کی تدریس سے خالص ہندوستانی تہذیب و تمدن کی ترویج ہوئی ہے۔

اخلاقی اقدار کی ترویج بھی انسان کا ایک اہم منصب ہے اور ادب وہ آلہ ہے جس کے ذریعے سے اخلاقی اقدار نسل در نسل آگے بڑھتی ہیں اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب ادب سے مقصدی رجحان کی طرف قارئین کی توجہ دلائی جائے اور مرثیہ بھی ان اقدار کو سمیٹے ہوئے ہو۔ یہ مذہبی امور اخلاقی اقدار مرثیہ کے اندر موجود ہیں اور ان کی ترویج اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب ادب کے ذریعے انہیں نئی نسل میں منتقل کیا جائے۔ یہ عمل مرثیے کی تدریس کا جواز فراہم کرتا ہے کیونکہ مرثیہ سراسر اخلاقیات پر مبنی ہے اور اخلاقی اسباق کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ اس کی بنیاد ہی اخلاقیات پر ہے۔ اس کو پڑھنے سے وہ اخلاقی اقدار غیر شعوری طور پر ہی قاری کے اندر آجاتی ہیں۔ لہٰذا اخلاقیات کی ترویج کے لئے اخلاقیات کے مرقع یعنی مرثیہ کی تدریس کا جواز ہر صورت میں بنتا ہے۔ جیسا کہ مرثیہ کی اخلاقی حیثیت کے بارے ابو اللیث صدیقی لکھتے ہیں:

"مرثیہ نگاری ہی کی ایک صنف ایسی ہے جسے خالص اخلاقی شاعری کہہ سکتے ہیں۔"15؎

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

اسی موضوع اور حقیقت کو ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار بھی بیان کرتے ہیں:

"مرثیے میں بعض ایسے اخلاقی نتائج واسباق بھی ملتے ہیں جنہیں مرثیہ گو شعراء نے شہدائے کربلا کے دلگداز واقعات کے ضمن میں بیان کیا ہے۔۔۔۔۔۔۔زندگی کے یہ چند اسباق اتنے نمایاں ہیں کہ جو معاشرتی نقطہ نظر سے بڑے قابل دید ہیں۔"16؎

مرثیہ کے حوالے سے ایک بحث یہ چلتی ہے کہ آیا کہ یہ انگریزی صنف رزمیہ کے قائم مقام ہے یا نہیں ہے۔اور جس طرح رزمیہ انسانی طبیعت کے اوپر خوشگوار اثرات مرتب کرتی ہے۔اسی طرح مرثیہ بھی کرتا ہے اس بات کو جاننے کے لئے ضروری ہے کہ رزمیہ کے بارے میں ارسطو کے بوطیقا میں بیان کردہ خصائل اور خصوصیات کا جائزہ لیا جائے ۔ارسطو کے مطابق رزمیہ شاعری کے بیان کے ذریعے سے نقل کرتی ہے اس میں ایک ہی بحر استعمال کی جاتی ہے۔رزمیہ شاعری کی روداد کی بھی وہی ترتیب ہونی چاہیے جو ٹریجڈی میں ہوتی ہے۔اس کا موضوع بھی ایسا عمل ہونا چاہیے جو پورا اور مکمل ہو۔رزمیہ شاعری تاریخ سے مختلف ہوتی ہے کیونکہ تاریخ تو ایک عہد کے تمام واقعات جو اس زمانے میں ایک شخص کو یا کئی اشخاص کو پیش آتے ہیں۔رزمیہ شاعری میں صرف ایک مکمل عمل کو لکھا جاتا ہے اور تاریخ کے پورے واقعات کو شامل نہیں کیا جاتا۔ٹریجڈی کی طرح رزمیہ شاعری کی بھی چار قسمیں ہو سکتی ہیں۔سادہ، پیچیدہ، اخلاقی اور المناک، موسیقی اور آرائش کے سوا اس کے بھی اتنے حصے ہو سکتے ہیں۔جتنے ٹریجڈی کے، رزمیہ شاعری ٹریجڈی سے اسی روداد کی طوالت اور اپنی بحر کی وجہ سے مختلف ہوتی ہے۔نظم صرف اتنی طویل ہو کہ اس کا آغاز اور انجام ایک نظر میں سامنے آسکے ٹریجڈی کے عمل میں تعجب کے عنصر کی ضرورت ہے۔رزمیہ شاعری میں ناممکن اور خلاف قیاس کو بھی جائز سمجھا جاتا ہے۔لیکن ناقابل یقین واقعات کو سلیقہ سے بیان کرنا ضروری ہے، قرین قیاس ناممکنات کو خلاف قیاس امکانات پر ترجیح دی جاتی ہے۔روداد کی ترتیب یہ بتائی گئی ہے:

1۔مکمل ہو یعنی آغاز ہو، درمیان ہو، انجام ہو۔

2۔عظمت ہو۔

3۔وحد عمل ہو۔

مراثی میں یہ عناصر کماحقہ موجود ہوتے ہیں۔اسی لئے ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی نے کہا:

"مرثیہ میں وہ تمام خصوصیات موجود ہوتی ہیں جو کہ رزمیہ شاعری کے سلسلے میں ارسطو نے بتائی ہیں۔"17؎

ارسطو نے ٹریجڈی کے حتمی عمل کو بیان کرتے ہوئے بوطیقا میں کہا کہ اس کا مقصد To arouse and release the feelings of pity and fear. ہے۔یعنی انسان کے اندر کے خوف اور ترحم کے جذبات کو ابھارنا اور پھر آنسوؤں کے ذریعے باہر نکالنا۔یہی کام مرثیہ کی تدریس کے ذریعے بھی لیا جاتا ہے۔یعنی کیتھارسس (Catharsis) یا تزکیہ کے لئے مرثیہ کی تدریس کا جواز بنتا ہے۔جیسا کہ ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

"مرثیہ سے تزکیہ کا کام لیا جا سکتا ہے اور مذہبی نقطہ نظر سے قطع نظر نفسیاتی لحاظ سے مرثیہ کا یہ وصف قابل توجہ ہے۔"18؎

گویا ہم کہہ سکتے ہیں کہ مرثیہ کے عظیم موضوع، اخلاقی اسباق، منظر کشی، قدیم صنف، تہذیبی ورثے کی منتقلی اور تزکیہ کی وجہ سے اپنی تدریس کا جواز رکھتا ہے اور ان خصوصیات کی وجہ سے سے مرثیہ کی تدریس ضروری ہے۔یہ صنف اپنے اندر ایک وسیع اسلامی تاریخ، اہل بیت سے محبت، زبان و بیان کے تنوع کے حوالے سے جہان معانی کا ایک وسیع بحر ذخائر رکھتی ہے۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

حوالہ جات

1۔ چاند، شیخ، سودا، کراچی: انجمن ترقی اردو، 1963، ص24

2۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، تخلیق، تحقیقی شخصیات اور تنقید، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2011، ص267

3۔ رام بابو سکسینہ، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، (مترجم) محمد عسکری، لاہور: عملی کتاب خانہ، 1982، ص196

4۔ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، اصناف ادب، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2012، ص:52

5۔ حمید اللہ صاحبزادہ، فن اور تکنیک، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 1990، ص:128

6۔ صبا اکبر آبادی، مرثیے، خوشاب، کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، 1985، ص:302

7۔ ام ہانی اشرف، ڈاکٹر، اردو مرثیہ نگاری، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، 2000، ص:24

8۔ مسعود الحسن رضوی، سید، پروفیسر، روح انیس، لاہور: الادب پبلیکیشنز، 1979 ، ص:21

9۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو (جلد اول)، لاہور: انجمن ترقی ادب، 1975، ص:544

10۔ حمید اللہ، صاحبزادہ، فن اور تکنیک، ص:129

11۔ عبد الروف عروج، اردو مرثیہ کے پانچ سو سال، کراچی: شارق پبلشرز، 1987، ص:30

12۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو (جلد چہارم)، لاہور: انجمن ترقی ادب، 1975، ص:547

13۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو (جلد چہارم) ص:544

14۔ عابد علی عابد، سید مرثیے کا آغاز مشمولہ "تاریخ ادبیات پاکستان مرتبہ خواجہ محمد ذکریا جلد دوم، لاہور: پنجاب یونیورسٹی، 2010 ، ص:293

15۔ ابو اللیث صدیقی، ڈاکٹر، لکھنو کا دبستان شاعری، کراچی: غضنفر اکیڈمی، 1987، ص:79

16۔ غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، اردو شاعری کا سیاسی اور سماجی پس منظر، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2008، ص:232

17۔ ابو اللیث صدیقی، ڈاکٹر، لکھنو کا دبستان شاعری، ص:790

18۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، تخلیق، تخلیقی شخصیات اور تنقید، ص:270